مسجد اقصیٰ۔عظمت ومقام

ڈاکٹر محمد عمارہ
ڈاکٹر عبدالحلیم عویس

ایفا پبلی کیشنز – نئی دہلی

کتاب : مسجد اقصی-عظمت ومقام
تالیف : ڈاکٹر محمد عمارہ، ڈاکٹر عبدالحلیم عویس
ترجمہ : الیاس نعمانی
قیمت : ۳۰/روپے
صفحات : ۲۴
سن اشاعت : ۲۰۱۳ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز
۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
ای میل: ifapublication@gmail.com
فون: 011 - 26981327

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

پیش لفظ

مکی زندگی میں جب نماز فرض ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کچھ اس طرح متعین کیا کہ کعبۃ اللہ بھی مسلمانوں کے سامنے ہوتا اور بیت المقدس بھی؛ کیوں کہ مکہ مکرمہ میں یہ بات ممکن تھی، پھر جب آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، تو ابتداء سولہ سترہ ماہ بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے، گویا پوری مکی زندگی اور مدنی زندگی میں بھی ایک سال سے زیادہ عرصہ مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس ہی رہا، اس کے علاوہ بیت المقدس سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ کا ایک اہم واقعہ بھی متعلق ہے اور وہ ہے واقعہ معراج، آپ ﷺ کا یہ آسمانی سفر دو مرحلوں میں مکمل ہوا، پہلا مرحلہ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اور دوسرا مسجد اقصیٰ سے آسمان تک، اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسجد اقصیٰ سے مسلمانوں کی نہ صرف تاریخی وابستگی ہے؛ بلکہ وہ ان کا مذہبی ورثہ بھی ہے۔

اس کے علاوہ احادیث میں ارض قدس کی بڑی فضیلتیں منقول ہیں، اس جگہ کو اللہ کے پیغمبروں اور رسولوں سے نسبت رہی ہے، دل میں ہے کہ وہ ان کے نام پر مر مٹنے کو اپنے لئے عزت وسعادت کی بات سمجھتی ہے، انہوں نے یہودیوں کی طرح کبھی کسی پیغمبر کی اہانت نہیں کی؛ اس لئے مسلمانوں کی یہ سوچ عین انصاف کے مطابق ہے کہ مسجد اقصیٰ کی تولیت اصل میں ان کا حق ہے، اسی پس منظر میں ڈاکٹر عبدالحلیم عویس اور ڈاکٹر محمد عمارہ جیسے معروف اور صاحب نظر عرب فضلاء نے یہ تحریر مرتب کی ہے، جس میں اسلام اور مسلمانوں کی نگاہ میں بیت المقدس کی اہمیت اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے، اکیڈمی کے لئے باعث سعادت ہے کہ وہ اسے اردو قارئین تک پہنچانے کا شرف حاصل کر رہی ہے؛ تا کہ اس وقت جو مسئلہ ملت

اسلامیہ کے لئے سب سے اہم مسئلہ ہے اور جو ایسا زخم ہے کہ بیت المقدس کی بازیابی کے بغیر وہ مندمل نہیں ہوسکتا، اسے فراموش نہ کر دیا جائے:

تازہ خواہی واشتن گر ذاغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

خالدسیف اللہ رحمانی
(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
۳۰ جنوری ۲۰۱۳ء

قدس کی اسلامیت کا مطلب

ڈاکٹر محمد عمارہ
معروف اسلامی مفکر ومصنف

مکمل شہر قدس اسی طرح حرم مقدس ہے جس طرح پورا شہر مکہ حرم مقدس ہے، اس شہر کی اسلامی فتح اور یہاں کی مسجدوں کی تعمیر سے پہلے ہی اس پورے شہر کو قرآن مجید نے 'مسجد' کہا تھا، یعنی قدس بھی مکہ کی طرح ہی 'مسجد' (سجدہ کرنے والوں کا قبلہ) ہے، یہ بات ہجرت نبوی سے دو سال پہلے یعنی واقعۂ معراج کے وقت کی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا تھا:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِهِ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الأَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَهُ لِنُرِیَهُ مِنْ آیَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ [بنی اسرائیل:۱]

(پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے، تا کہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے)۔

اسراء کے واقعہ کا آغاز مکہ (مسجد) سے اور اس کا اختتام قدس (مسجد) پر ہوا تھا، اس واقعہ نے ان دونوں مقدس حرموں کے درمیان ایک تعلق قائم کیا تھا، یہ تعلق اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے...... یہ تعلق تمام نبوتوں اور رسالتوں میں ایک ہی خداوندی دین کی جلوہ گری سے عبارت ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اولین خانۂ خدا اور آخری امت کے قبلہ مسجد حرام کا تعلق پچھلی نبوتوں اور شریعتوں کے قبلہ قدس سے قائم کر کے دین خداوندی کے ایک ہونے، اسلام کے ذریعہ اس کی تکمیل ہونے، اور حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک کے تمام رسولوں اور نبوتوں پر

ایمان لانے کے عقیدہ اسلامی کا ایک حصہ ہونے کا پتہ دیا ہے، مسلمانوں کے ذریعہ اس شہر کو فتح کئے جانے سے پہلے اس کا نام ''عظیم ایلیا'' تھا، مسلمانوں نے اس شہر کو ۱۵ھ میں فتح کیا تو اس میں کسی مسجد کے بننے یا اس کے باشندگان میں سے کسی کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی اس کے تقدس کو ظاہر کرنے کے لئے اس کا نام ''قدس''، ''قدس شریف''، ''بیت المقدس'' اور ''حرم قدسی''، رکھا۔

مسلمانوں نے اس شہر کے ساتھ اللہ کے حکم کے مطابق ''حرم مقدس'' ہونے کا رویہ اختیار کیا، فتح کے واقعات میں اس اسلامی عقیدہ کی جھلک ہمیں صاف نظر آتی ہے، مسلمان فاتحین نے قدس کو مکہ کی طرح حرم مقدس جانتے ہوئے وہاں جنگ نہیں کی، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کی قیادت میں مسلمانوں کے لشکر نے اس حرم مقدس کا اس وقت تک محاصرہ کئے رکھا جب تک وہاں کے باشندگان صلح پر راضی نہیں ہو گئے، اس لشکر نے جنگ اس لیے نہیں کی تھی کہ اس شہر مقدس میں جنگ جائز نہیں ہے، اس شہر کی بابت اس اسلامی حکم وعقیدہ پر عمل صرف اسی وقت نہیں بلکہ تاریخ کے ہر دور میں کیا گیا ہے۔

باوجود اس کے کہ صلیبوں نے ۴۹۲ھ/۱۰۹۹ء میں قدس پر بزور بازو قبضہ کیا تھا، اور اس موقعہ پر انہوں نے اس شہر کے تمام مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا تھا، قتل وخونریزی کا یہ بازار سات روز تک گرم رہا، جس میں ان لوگوں کو بھی نہیں بخشا گیا جنہوں نے مسجد اقصیٰ میں پناہ لی تھی، صلیبیوں نے ان لوگوں کو بھی ایسے دردناک طریقہ سے ذبح کیا تھا کہ مسجد اقصیٰ میں واقعی خون کی ندیاں رواں ہو گئی تھیں، مسجد اقصیٰ میں خون اتنا تھا کہ صلیبوں کے گھوڑے وہاں گئے تو تیرتے ہوئے گئے، اس کے باوجود ۵۸۳ھ/ ۱۱۸۷ء میں صلاح الدین ایوبی (۵۳۲ھ-۵۸۹ھ /۱۱۳۷-۱۱۹۳ء) نے جب اس مقدس شہر کو فتح کیا تو اسے ایک ایسا شہر مقدس جانا جہاں جنگ وخونریزی جائز نہیں ہے، انہوں نے بھی اس شہر مقدس کا ۵۸۳ھ میں محاصرہ کر کے صلیبیوں کو خود

سپردگی پر مجبور کیا...... یہ صرف ایک شہر نہیں ہے...... یہ ایک حرم ہے، اور بقول صلاح الدین ایوبی: ''شہر ہماری میراث ہے، تمام اہل مذاہب کی میراث ہے...... یہاں ملائکہ جمع ہوتے ہیں اور یہیں سے ہمارے نبی ﷺ سفر معراج پر گئے تھے۔''

شہر کا تقدس:

اس شہر کو مسجد، حرم اور گذشتہ نبوتوں کا قبلہ مان کر اسلام نے چونکہ اس کو تقدس بخشا ہے، اور چونکہ صرف اسلام نے ہی پچھلی نبوتوں اور رسالتوں پر ایمان کو اپنے عقیدہ کا جز بنایا ہے اس لئے شہر قدس پر اسلامی حکومت کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس کے عہد میں ہر مذہب کے پیرووں کے مقدس مقامات کا خیال رکھا گیا ہے۔

اسلامی حکومت نے اس حرم مقدس میں واقع غیر اسلامی مقدس مقامات کی حفاظت کی، جب کہ شہر قدس کی ہر غیر اسلامی حکومت نے یہاں کے مقدس مقامات پر قبضہ کیا۔ رومیوں نے اپنی بت پرستی کے زمانے میں ان مقامات پر خود اپنا قبضہ رکھا، اور یہودیوں وعیسائیوں کو ان سے محروم کر دیا، پھر جب رومیوں نے عیسائیت قبول کر لی تو یہ تمام مقامات صرف عیسائیوں کے تصرف میں رہے، مسلمانوں نے جب قدس کو فتح کیا تو اس وقت بھی وہاں کے عیسائی باشندوں نے یہ مطالبہ کیا کہ یہاں کسی یہودی یا چور کو داخلہ نہ ملے۔ یہی رویہ صلیبیوں نے بھی اپنے نوے سالہ قبضہ میں اختیار کیا، انہوں نے مسلمانوں اور یہودیوں کے قتل عام کے بعد شہر کے مقدس مقامات پر خود قبضہ کر لیا، مسجد اقصیٰ کو لاطینی کلیسا اور لاطینی فوجیوں کا اصطبل بنا دیا، آج صہیونی بھی اسی رویہ پر کار بند ہیں، وہ یہاں کے عربوں (مسلمانوں اور عیسائیوں) کو نکال رہے ہیں اور ان کے مقدس مقامات پر قبضہ کرنے، انہیں منہدم کرنے یا انہیں کچھ اور بنا دینے کی دھمکی دیتے رہتے ہیں۔

اس مسئلہ کے حوالے سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان فرق قدس کے تقدس کو عام سمجھنے یا اسے صرف اپنے لئے مخصوص کرنے کا ہے، یہ فرق صرف رواداری اور تعصب کا نہیں

ہے، یہ درحقیقت ایک دینی واعتقادی مسئلہ ہے، صرف اسلام ہی تمام رسالتوں اور آسمانی شریعتوں کو مانتا ہے، اور اسی لئے ان شریعتوں کے پیروؤں کے مقدس مقامات کا خیال رکھتا ہے، اس کی حکومت غیر مسلموں کی جان، ان کے مال اور اہل خانہ کے ساتھ ساتھ ان کے مذہبی مقامات کی بھی حفاظت کرتی ہے، جب کہ یہودیت مسیحیت کو لائق اعتنا سمجھتی ہے نہ اسلام کو۔

دیگر ادیان اور ان کے مقدس مقامات کی بابت یہی طرز عمل عیسائیت اختیار کرتی ہے ...... یہی وجہ ہے کہ قدس میں اسلامی حکومت قائم ہونے کی صورت میں وہاں موجود تمام مقدس مقامات کے ماننے والے اہل مذاہب کے نزدیک قدس کا تقدس محفوظ رہے گا، اور اس شہر پر دوسروں کا قبضہ ہوجانے کی صورت میں اس شہر کا تقدس پامال ہوجائے گا، لہذا اس شہر پر اسلامی حکومت کا قیام صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں تمام اہل مذاہب کے لئے مفید ہوگا۔

قدس کی اسلامی حکومتوں کے ذریعہ یہ اسلامی رویہ اختیار کرنے کی وجہ سے ہی ہمیں اس مقدس شہر کی تاریخ میں عیسائیوں کے گرجا گھروں کے اوقاف کی متعدد دستاویزوں میں یہ شق بھی ملتی ہے کہ ان اوقاف کا نگراں کوئی مسلمان ہوگا، بلکہ ایسی بہت سی دستاویزوں میں یہ بھی تحریر ہے کہ ان گرجا گھروں کی چابیاں مسلم مقدسی خاندانوں کے پاس ہوں گی۔

اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک، نیز تاریخ اسلامی اور اسلامی حکومت میں چونکہ قدس کو یہ مقام حاصل ہے اس لئے قدس کی بابت اور قدس میں چلی آرہی تاریخی کشمکش کے اس عہد میں ہمیں اس کو صرف ایک قطعہ آراضی، ایک شہر، فلسطین کا دارالحکومت یا عربی صہیونی کشمکش کا محور ہی نہیں ماننا چاہئے، قدس یہ سب کچھ ہے لیکن اس کی حیثیت ان سب سے بہت زیادہ ہے، وہ ایک ایسی امت کے عقیدہ کا حصہ ہے جس کی تعداد ۱۰۳ ملیار سے زائد ہے، یہ صرف آٹھ ملین فلسطینیوں کا وطنی مسئلہ نہیں ہے، یہ تین سوملین سے بھی کم عربوں کا قومی مسئلہ نہیں ہے، قدس یقیناً فلسطین کا دارالحکومت ہے اور عربی صہیونی کشمکش کا محور ہے لیکن وہ ان سب سے زائد ایک اسلامی

عقیدہ ہے، حرم مقدس ہے، حرم مکی اور اس کے درمیان تعلق دین خداوندی کے ایک ہونے کے عقیدۂ اسلامی کا ایک مظہر ہے۔

پس قدس کی اسلامیت اور اس کی بابت پائی جانے والی کشمکش میں ہمارے موقف کی اسلامیت فلسطینی وطنیت اور عرب قومیت کے امکانات میں مزید اضافہ کرتی ہے کمی نہیں، بلکہ مسئلہ قدس کی یہ اسلامیت ہی (جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا) وہاں کے مقدس مقامات سے وابستہ تمام اہل مذاہب کی مصلحت کا عین تقاضا ہے۔

مسئلہ فلسطین کے متعدد پہلو:

مسئلہ قدس سے متعلق ہمارے موقف کے یہ متعدد پہلو ہیں، ان پہلوؤں کی نوعیت کا ادراک اور ان اسلامی پہلوؤں کا تقاضہ اس وقت شدید تر ہو جاتا ہے جب ہمیں اس شہر مقدس کی بابت دیگر موقف کے پہلوؤں کا علم ہوتا ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ ہمیں قدس اور فلسطین میں ایک بے نظیر نسلی نوآبادیاتی منصوبہ کا سامنا ہے، یہ دیگر نسل پرستانہ نوآبادیاتی منصوبوں (مثلاً جنوبی افریقہ کے منصوبوں) سے بالکل مختلف ہے، ہمیں جس نوآبادیاتی، استعماری ونسل پرستانہ منصوبہ کا سامنا ہے اس کے دینی پہلو بھی ہیں، اور اسی لئے اس وقت کے دینی اسلامی پہلوؤں کا خیال رکھنا ہمیں درپیش کشمکش کی مجبوری بھی ہے یہ صرف ہمارے دین وعقیدہ کا ہی تقاضہ نہیں ہے۔

قدس وفلسطین میں آج جس نوآبادیاتی نسل پرستانہ منصوبہ کا ہمیں سامنا ہے وہ سب سے پہلے مغرب میں پروٹسٹنٹس کے نظریہ میں سامنے آیا تھا، اور اس کی بنیاد ''یوحنا کے مکاشفہ'' نیز معرکۂ ہرمجدون کے بعد حضرت مسیح کی دوبارہ آمد اور پھر آپ کے ذریعہ ایک ہزار سال تک دنیا پر حکومت کے اسطوراتی تصور پر ہے، اسی تصور نے یہودیوں کے فلسطین میں جمع ہونے، قدس کو یہودیانے اور مسجد اقصیٰ کے ملبہ پر ہیکل کی تعمیر یعنی وہاں صہیونیوں کے غلبہ کو مغرب کے

پروٹسٹنٹس کے لئے ایک دینی مسئلہ بنادیا، پھر پروٹسٹنٹس کے اس منصوبہ کی تبلیغ وتشہیر یہودی جماعتوں میں کی جانے لگی،صہیونیت نے ایک نسل پرست قومی تحریک کےطور پر اور مغربی استعمار نے عالم اسلام پر اپنے حملہ کے دوران اور استعماری منصبوں میں اپنی ممکنہ معاون اقلیتوں کی تلاش میں اس نظریہ کو قبول کیا، اس طرح اس نسل پرستانہ نوآبادیاتی منصوبہ کے متعدد عناصر ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

ا-مغربی عیسائیت کا دینی پہلو، اس پہلو کا آغاز پروٹسٹنٹس کے یہاں سے ہوا، پھر اس کا مغرب کے کیتھولک چرچ پر بھی اثر ہونا شروع ہوا، جس کے نتیجہ میں بجائے اس کے کہ یہودی عیسائیت کا اعتراف کرتے کیتھولک چرچ اپنی عیسائیت کو یہودیانے لگا، اب وہ ''یہوہ'' کو اپنا خدا بنانے کے لئے کوشاں ہے، اور ''حضرت مسیح کے اسرائیل جانے'' کی باتیں کررہا ہے، اس سلسلے میں صرف مسیحی نظریہ ہی میں تبدیلی پر اکتفانہ کرکے انجیلوں اور عبادتوں تک میں یہ عمل جاری ہے، تاکہ عیسائی صدیوں تک معافی ومغفرت کی دستاویزیں بیچنے کے بعد اب یہودیوں سے معافی حاصل کرسکے۔

۲-بے دین بلکہ ماہ پرستانہ اور ملحدانہ نوآبادیاتی پہلو، اس لئے کہ معروف ملحد و مادہ پرست بنابرٹ (۱۷۶۹-۱۸۲۱) نے ہی سب سے پہلے اس استعماری منصوبہ میں ان دینی خرافات کو استعمال کرنے کی اپیل کی تھی، مشہور انگریز استعماری سائکس نے ۱۹۱۶ء میں فرانس کے پیکوٹ کے ساتھ خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کا اور اس کے عرب علاقوں کو استعماری طاقتوں کے درمیان تقسیم کرنے کا وہ معاہدہ کیا تھا جو سائکس پیکوٹ معاہدہ کے نام سے جانا جاتا ہے، یارکشائر کے گاؤں سلیڈمیر میں اس منصوبہ کا ایک ماڈل بھی بنایا گیا تھا جس پر تحریر تھا: ''اے قدس خوش ہوجاؤ!''۔

اس طرح یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ قدس مغربی عیسائیت کے ساتھ ساتھ مغربی سیکولر استعمار کا بھی نشانہ ہے۔

۱۹۱۷ء میں انگریزی جنرل ایلنبی قدس میں داخل ہوا تو اس نے صلیبی جنگوں کے پوپوں کی صورت اختیار کر کے کہا: آج صلیبی جنگیں ختم ہو گئیں، اسی دن انگریزی روز نامہ Punch نے ایک کارٹون شائع کیا جس میں رچرڈ اوّل کو یہ کہتے ہوئے دکھایا گیا تھا،: ''آج میرا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا''۔

ایک فرانسیسی جنرل، جو کہ انتہا پسند فرانسیسی سیکولرزم کا علمبردار تھا وہ ۱۹۲۰ء میں دمشق گیا تو اس نے صلاح الدین ایوبی کی قبر کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا: ''صلاح الدین! ہم پھر لوٹ آئے ہیں''۔

اس طرح یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ قدس و فلسطین کی کشمکش کی بابت مغربی سیکولرزم مغربی اہل مذہب کا دمساز و معاون ہے۔

۳- معاصر امریکی امپائر جو دین و استعمار دونوں پہلوؤں کا جامع ہے، اس نے ''صہیونی مسیحیت'' کو قدس و فلسطین پر صہیونی قبضہ کو دینی شکل دینے کے کام میں استعمال کیا ہے، امریکی کانگریس نے ۱۹۹۵ء میں جب امریکی سفارت خانہ کو قدس میں منتقل کرنے اور اسلامی اوقاف کی زمین پر اس کی تعمیر کا فیصلہ کیا تو اس نے اپنے اس فیصلہ کے آغاز میں لکھا: ''قدس یہودیت کا روحانی وطن ہے''۔ حالانکہ قدس کو یہودیت کے نبی حضرت موسیٰؑ نے کبھی دیکھا تک نہیں تھا، اور یہودیت کی تورات بھی وہاں نازل نہیں ہوئی تھی۔ حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے اس شہر کی طویل تاریخ کا نہایت مختصر حصہ یہاں گزارا تھا، لیکن یہ دونوں بھی یہودیوں کے نزدیک رسول اور نبی نہیں تھے صرف بادشاہ تھے۔ تو پھر یہ قدس یہودیت کا روحانی وطن کیسے ہے؟ یقیناً سامراج بے بنیاد اور بے کار کی باتوں کو دین کا رنگ دیکر قبضہ کی مدد کر رہا ہے۔

۴-صہیونی نسل پرستی، جس نے یہودیت کو ایسا خالص نسل پرست دین بنا دیا ہے، جس کا اللہ کے حضرت موسیٰ پر نازل کردہ دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اب صورت حال یہ ہے کہ

صہیونیت کی انسائیکلو پیڈیا میں یہودی کی تعریف یہ ہے: ''وہ شخص جو ایک یہودی ماں سے پیدا ہوا ہو: یعنی یہودی کا یہودی ہونا دین کے قبول کرنے سے نہیں بس ولادت کے اس عمل سے ثابت ہوگا، اور یہودی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ (خواہ ولد الزنا ہو یا ملحد ہو) یہودی، اللہ کی منتخب قوم کا ایک فرد اور قدس وفلسطین پر قبضہ کا حق دار ہو جاتا ہے۔

یعنی قدس وفلسطین میں ہمیں ایک ایسے نسل پرست سامراجی استعمار کا سامنا ہے، جو بے بنیاد باتوں اور خود ساختہ نظریات کو دین کی صورت دے کر ان سے استعماری منصوبہ کو تقویت پہنچا رہا ہے، اور اپنے نسل پرست استعمار کو روحانیت کا لبادہ اڑھا رہا ہے، تو کیا ہمارا دشمن اپنے باطل نظریات کی مدد بے بنیاد باتوں سے کرتا رہے اور ہم فلسطینی وطنیت اور عرب قومیت کے حق کو وحی الٰہی، حقیقی عقیدہ اور تاریخ وتہذیب کے روشن صفحات سے تقویت نہ پہنچائیں؟

وہ لوگ جو قدس وفلسطین کی بابت کشمکش کو اسلامیانے سے ڈرتے ہیں (خواہ ان کی نیت کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو) ایسے بے وقوف ہیں کہ اس ''اسلامیت وایمانیت'' سے ناواقف ہیں جو انہوں نے اس طویل مدتی کشمکش کے سلسلہ میں اپنے آباء واجداد سے وراثت میں پائی ہے۔ اور یہ لوگ اپنی اس بیوقوفی میں امت سے اس کا سب سے زیادہ کاری ہتھیار چھین کر دشمن کا پلڑا بھاری کر دینا چاہتے ہیں۔

قدس پر اسلامی حکومت کا قیام ہی وہاں موجود تمام مقدس مقامات سے متعلق اہل مذاہب کے لئے وہاں کے تقدس کو باقی رکھنے کا ایک ذریعہ ہے، یعنی اسلامی قدس میں اس علاقہ کو صرف ایک ہی مذہب کے پیرووں کے ساتھ اس طرح مخصوص نہیں کیا جائے گا جس طرح آج کل اسے یہودیائے جانے کا خطرہ لاحق ہے۔

☆☆☆

اسلام اور مسلمانوں کی نگاہ میں
بیت المقدس کا مقام

ڈاکٹر عبدالحلیم عویس
ماہر تاریخ وتہذیب اسلامی

اسلام میں بیت المقدس کا مقام جاننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم بنیادی اسلامی مصادار (کتاب وسنت) سے رجوع کریں، ذیل میں اس موضوع سے متعلق چند نصوص پیش کئے جارہے ہیں۔

کتاب وسنت:

''**سُبۡحَانَ الَّذِیۡ أَسۡرَی بِعَبۡدِهِ لَیۡلاً مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ إِلَی الۡمَسۡجِدِ الأَقۡصَی الَّذِیۡ بَارَکۡنَا حَوۡلَهُ**''[بنی اسرائیل:۱](ترجمہ: پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے، تا کہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے)۔

اسراء ومعراج کا واقعہ ہجرت نبوی سے ایک سال اور چند ماہ قبل ۶۲۱ء میں پیش آیا تھا۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے:''**لا تشد الرحال إلا لثلاثة مساجد" المسجد الحرام، ومسجدی هذا والمسجد الأقصیٰ**''[متفق علیہ](رخت سفر صرف تین مسجدوں کے لئے ہی باندھا جائے گا: مسجد حرام، میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ)۔

آپ نے یہ بھی فرمایا: مسجد حرام میں نماز دیگر مقامات میں پڑھی گئی نماز سے ایک لاکھ

گنا ہے، میری اس مسجد میں پڑھی گئی نماز ایک ہزار گنا اور مسجد بیت المقدس کی نماز پانچ سو گنا (مسند احمد)۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! زمین میں سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد حرام، میں نے عرض کیا: پھر کونسی؟ آپ نے فرمایا مسجد اقصی، میں نے دریافت کیا ان دنوں کی تعمیر کے درمیان کتنا عرصہ تھا؟ آپ نے فرمایا چالیس برس'' (متفق علیہ)۔

حضرت ابوامامہ باہلی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کا ایک گروہ حق پر قائم اور دشمنوں پر غالب رہے گا، ان کو ان کے مخالفین نقصان نہ پہنچا سکیں گے، یہ سلسلہ قیامت تک قائم رہے گا، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: بیت المقدس اور اس کے آس پاس (مسند احمد)۔

کتاب وسنت کے نصوص سے مسجد اقصیٰ کے بارے میں یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں:

☆ وہاں رسول اللہ ﷺ شب معراج میں تشریف لے گئے، اور اس موقعہ پر آپ دنیا سے آسمان پر وہیں سے گئے۔

☆ یہ قبلۂ اول ہے۔

☆ ان تین مسجدوں میں سے ایک ہے جن کے لئے رخت سفر باندھا جا سکتا ہے۔

☆ یہ زمین پر بنائی گئی پہلی دو مسجدوں میں سے ایک ہے۔

☆ یہ مبارک مقام ہے، یہاں کی نیکیوں کا ثواب زیادہ ہے، اور یہاں گناہ معاف ہوتے ہیں۔

صحابہ وتابعین کے نزدیک:

اسی تقدس وعظمت کی وجہ سے مسلمانوں نے بیت المقدس کو ایک زیارت گاہ اور مقدس

ومبارک مقام سمجھا، وہاں کے لئے رخت سفر باندھا، بڑی تعداد میں لوگوں نے وہاں سے حج وعمرہ کا احرام باندھا۔ اسی طرح ہر زمانے میں مسلمان وہاں نماز پڑھنے اور ثواب حاصل کرنے کے لئے جاتے رہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت سعید بن عاص (جوعشرہ مبشرہ میں شامل ہیں) نے بھی مسجد اقصیٰ سے حج وعمرہ کا احرام باندھا تھا، لشکر قادسیہ کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص مسجد اقصیٰ آئے تو انہوں نے بھی وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا۔ ان حضرات کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت محمود بن ربیع انصاری خزرجی ایسے صحابہ ہیں جنہوں نے بیت المقدس سے احرام باندھا تھا۔

بیت المقدس کی زیارت کرنے والے یا وہاں جا کر مقیم ہو جانے والے صحابہ، فقہاء اور مفکرین کی تعداد شمار سے باہر ہے، ہم ان میں سے چند حضرات کا تذکرہ ذیل میں کر رہے ہیں تا کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ مسلمانوں کی فکر وتہذیب میں بیت المقدس کو کیسا دینی تقدس حاصل ہے۔

ایسے لوگوں میں یہ حضرات بھی شامل ہیں (ملاحظہ ہو: الأنس الجلیل: ۱/ ۲۶۰-۲۶۶، محمد الفحام: المسلمون واسترداد بیت المقدس، ص: ۳۴، اور اگلے صفحات، مطبوعہ ازہر): ابوعبیدہؓ بن جراح، ام المومنین صفیہ بنت حیی، معاذ بن جبل، مؤذن رسول بلال بن رباح، (حضرت بلالؓ نے وفات نبوی کے بعد اذان دینا ترک کر دیا تھا، لیکن پھر بیت المقدس کی فتح کے بعد آپ نے اذان دی)، عیاض بن غنیم، عبداللہ بن عمر، خالد بن ولید، ابو ذر غفاری، ابو درداء عویمر، عبادہ بن صامت، سلمان فارسی، ابومسعود انصاری، تمیم داری، عمرو بن عاص، عبداللہ بن سلام، سعید بن زید، مرہ بن کعب، شداد بن اوس، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرو بن عاص، معاویہ بن ابی سفیان، عوف بن مالک، ابو جمعہ انصاری رضی اللہ عنہم، یہ حضرات تو صحابہ کرام کی صف سے تعلق رکھتے ہیں۔

تابعین اور ممتاز فقہاء میں سے یہ حضرات زیارت بیت المقدس یا وہاں کے قیام سے شرف یاب ہوئے: مالک بن دینار، اویس قرنی، کعب الاحبار، رابعہ عدویہ، امام اوزاعی، سفیان

ثوری، ابراہیم بن ادھم، مقاتل بن سفیان، لیث بن سعد، وکیع بن جراح، امام شافعی، ابوجعفر جرشی، بشر الحافی، ثوبان بن یمرد (ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ۷/ ۴۲۴، مطبوعہ بیروت)، ذوالنون مصری، سلیم بن عامر (ایضاً: ۷/ ۴۶۴)، سری سقطی،، بکر بن سہل دمیاطی، ابوالعوام (مؤذن بیت المقدس)، سلامۃ المقدس الضریر، ابوالفرج عبدالواحد حنبلی، امام غزالی، امام ابوبکر طرطوش، امام ابوبکر عربی، ابوبکر جرجانی (الأنس الجلیل: ۱/ ۲۸۵، اور اگلے صفحات) ابوالحسن زہری، ان حضرات کے علاوہ سیکڑوں تابعین اور ممتاز علماء اس شرف سے مشرف ہوئے۔

قدس کی زیارت کرنے والے خلفاء:

بیت المقدس کی زیارت کرنے والے خلفاء میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں: حضرت عمر بن خطاب، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، عبدالملک بن مروان، حضرت عمر بن عبدالعزیز، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک (انہوں نے بیت المقدس میں قیام اور اسے دارالحکومت بنانے کا ارادہ کیا تھا)، ابوجعفر منصور، مہدی بن منصور، اور بہت سے ایوبی عثمانی یا غلام خلفاء۔

عہد غلامان اور اس کے بعد بہت سے خلفاء اور بادشاہوں نے اپنے ہاتھوں سے چٹان کی صفائی کی اور اسے عرق گلاب سے دھویا۔

ایسے بادشاہوں میں سے چند یہ ہیں: ظاہر بیبرس (رشاد الإمام: مدینۃ القدس فی العصر الوسیط، ص: ۶۲، اور اگلے صفحات)، الملک العادل زین الدین کتبغا منصوری، الملک الناصر محمد بن قلاوون، ان کے بھائی سلطان حسن، الملک الظاہر برقوق، الملک الاشرف برسبای، الملک الاشرف اینال، الملک الاشرف قایتبائی، سلطان سلیمان قانونی، سلطان محمود ثانی، سلطان عبدالمجید، سلطان عبدالعزیز اور سلطان عبدالحمید ثانی وغیرہ۔

بیت المقدس کی حفاظت مسلمانوں کا حق ہے یہودیوں کا نہیں:

ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ بیت المقدس اور اس کے مضافات کا علاقہ ایک مقدس

علاقہ ہے، اس کے تئیں کوتاہی کر کے ہم اپنے دین کی ہدایات پر عمل آوری میں کوتاہی کریں گے۔

یہ بات ہر خاص وعام جانتا ہے کہ صرف ہم مسلمان ہی تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں، ان کا اکرام کرتے ہیں اور ان سب کو ہر عیب سے پاک جانتے ہیں، اس سلسلے میں حضرت آدم وابراہیم ونوح سے لے کر حضرت موسیٰ وعیسیٰ اور حضرت محمد تک کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، کتاب وسنت کے کسی ایک بھی نص میں کسی بدکاری، جرم یا جھوٹ کی نسبت کسی نبی کی جانب نہیں کی گئی ہے۔

کسی مسلمان کا ایمان اسی وقت قابل قبول ہوگا جب وہ تمام انبیاء پر ایمان لائے، اور ان سب کی نہایت عزت کرے ''آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ''[بقرہ:۲۸۵](ترجمہ: رسول اور مومن رسول کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہدایت پر ایمان لائے ہیں، یہ سب اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ'' ہم اللہ کے رسولوں کے درمیان فرق نہیں کرتے'')۔

''قُولُواْ آمَنَّا بِاللّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالأسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ''[بقرہ:۱۳۶](ترجمہ: کہو! کہ:'' ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیم اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی، اور جو موسیٰ وعیسیٰ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی، ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں)۔

قرآن مجید کی سیکڑوں آیات میں متعدد انبیاء کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کو ہر اخلاقی خوبی

سے متصف بتایا گیا ہے، بعض لوگ ان پر جو تہمتیں لگاتے ہیں ان کی نفی کی گئی ہے اور مسلمانوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے کار منصبی (رسالت) کی ادائیگی میں کیسی جدو جہد کی ہے اور کیسی مادی ومعنوی پریشانیاں اٹھائی ہیں، اس سب کا مقصد مسلمانوں کو ان انبیاء کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت ہے، اس لئے کہ حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت محمد تک کے تمام انبیاء کی رسالتیں یکساں ہیں، جس کا سرچشمہ اور مقاصد بھی یکساں ہیں، ان میں سے ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہے (ملاحظہ ہوں سورۂ انعام کی آیات: ۸۳ تا ۹۰)۔

اس ایمان کامل کی بنیاد پر ہی ہم مسلمان تمام آسمانی دینوں کے ورثہ اور ان کے مقدس مقامات کی حفاظت کرتے ہیں، یہ ہمارے اس دین کا ہم کو حکم ہے جو آسمانی وحی کے سلسلے کی آخری کڑی ہے، اس دین کی اسی حیثیت کی وجہ سے اس کے متبعین نے پوری انسانیت کی ذمہ داری لی ہوئی ہے۔

''كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ'' [آل عمران: ۱۱۰] (اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانیت کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

''وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِن قَبْل'' [حج: ۷۸] (اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اس نے تمہیں اپنے کام کے لئے چن لیا ہے، اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام ''مسلمین'' رکھا تھا'')۔

انبیاء اور مقدس مقامات کی بابت یہودیوں کا کردار:

اسلام کے متبعین کے ذریعہ پوری انسانیت کی ذمہ داری لینے کی حقیقت اور قدر و قیمت

کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم اس کا مقابلہ انبیاء کی بابت یہودیوں کے کردار سے کرتے ہیں، ان کا یہ کردار کسی بھی طرح انہیں کسی مذہبی مقدس مقام کی حفاظت اور ذمہ داری کا اہل نہیں چھوڑتا ہے۔

خود تورات نے اور اس کے علاوہ انجیل وقرآن نے متعدد مقامات پر یہودیوں کو انبیاء کا قاتل، ان پر تہمتیں لگانے والا، اژدہوں کی اولاد، گمراہ، نابینا اور کفر کی وجہ سے ملعون کہا ہے۔

''اس لئے خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے دیکھو: میں یروشلیم اور یہوداہ پر بلا لانے کو ہوں......ان کو ان کے دشمنوں کے حوالہ کروں گا اور وہ اپنے سب دشمنوں کے لئے شکار اورلوٹ ٹھہریں گے......کیونکہ وہ میرے آگے بدی کرتے......رہے'' (سلاطین، ۲:۲۱/۱۲-۱۵)۔

تورات ہی میں ہے: ''اس مقام پر اور اس کے سب باشندوں پر بلا نازل کروں گا، کیوں کہ انہوں نے مجھے ترک کیا، اور غیر معبودوں کے آگے بخور جلایا تا کہ اپنے ہاتھوں کے سب کاموں سے مجھے غصہ دلائیں، سو میرا قہر اس مقام پر بھڑکے گا اور ٹھنڈا نہ ہوگا'' (سلاطین ۲:۲۲/۱۶-۱۷)۔

تورات میں ہے: ''اور اس نے فرمایا: جا، اور ان لوگوں سے کہہ کہ تم سنا کرو پر سمجھو نہیں، تم دیکھا کرو پر بوجھو نہیں، تو ان لوگوں کے دلوں کو چربادے اور ان کے کانوں کو بھاری کر اور ان کی آنکھیں بند کردے، تا نہ ہو کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اپنے کانوں سے سنیں اور اپنے دل سے سمجھیں'' (یسعیاہ:۶/۸-۱۳)۔

''کیونکہ جو ان لوگوں کے پیشوا ہیں ان سے خطاکاری کراتے ہیں،......پس خداوند ان کے جوانوں سے خوشنود نہ ہوگا، اور وہ ان کے یتیموں اور ان کی بیواؤں پر کبھی رحم نہ کرے گا، کیونکہ ان میں ہر ایک بے دین اور بدکردار ہے'' (یسعیاہ:۹/۱۳-۱۷)۔

ان کی تاریخی کتابیں بتاتی ہیں کہ انہوں نے انبیاء میں سے حضرت حزقی ایل، حضرت یسعیاہ، حضرت یرمیاہ، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ بن زکریا کو قتل کیا (ملاحظہ ہو نبیل شبیب: الحق والباطل،

ص:۱۸ مطبوعہ جرمنی)، ان کے علاوہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمدؐ کو قتل کرنے کی کوشش، نیز ان کے اور ان کے متبعین کے خلاف سازشیں کیں۔

توراۃ میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے کنعانی عربوں کو ختم کردینے پر اصرار کیا، اور ان کے لئے زندگی کا حق نہیں مانا، (خواہ عرب یہودیت کو قبول ہی کیوں نہ کرلیں) اس لئے کہ یہودیت صرف بنی اسرائیل کا دین ہے (مکابین ۲)، یہ بیان یقیناً تحریف کا پیدا کردہ ہے، اس لئے کہ حضرت یعقوب اللہ کے نبی ہیں، ان سے اس طرح کے ظالمانہ رویہ کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

توراۃ میں یہ بھی ہے کہ تمام غیر یہودی انسان کتے ہیں، توراۃ میں یہود کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ: ''ہم نے کسی عرب کی زمین نہیں لی ہے، کسی اجنبی کی کسی چیز پر قبضہ نہیں کیا ہے، یہ تو ہمارے آباء کی وہ میراث ہے جس پر ہمارے دشمنوں نے از راہ ظلم قبضہ کرلیا تھا'' (ایضاً)۔

یہودیوں کی دوسری مقدس کتاب تلمود میں ہے: ''تمام قومیں معلون ہیں، اور مبارک ہے، یہودیوں کی قوم''۔ اسی کتاب میں ہے: ''غیر یہودیوں کی ملکیت پر یہودیوں کا قبضہ برحق اور دائمی مسرت کا باعث عمل ہے''۔

تلمود ہی میں ہے: ''ہر غیر یہودی یہاں تک کہ ان کے اچھے لوگ بھی قتل کے حق دار ہیں''۔

جن لوگوں کی مقدس کتابوں کی تعلیمات یہ ہوں کیا انہیں دینی ورثہ یا انسانی تہذیب کا امین بنایا جاسکتا ہے؟ قرآن کریم کہتا ہے: ''ذَلِکَ بِأَنَّهُمْ كَانُواْ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّيْنَ بِغَيْرِ الْحَق'' [بقرہ:۶۱] (ایسا اس لئے ہے کہ یہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے)۔

کیا اس کردار کے لوگ انبیاء کے ورثہ کی حفاظت کے اہل ہیں؟

یہودیوں اور یہودیت کے اس کردار کے مقابلہ میں اسلام اور مسلمانوں کا کردار کتنا روشن ہے؟

اور آپ کی نظر میں اس ورثہ کی حفاظت اور نگرانی کا حق دار کون ہے؟

مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ مسلمانوں کی نگاہ میں:

چودہ صدیوں سے مسلمان بیت المقدس کو مقدس اور عظیم دینی ورثہ کا ایسا مرکز مانتے چلے آرہے ہیں جس کی حفاظت لازمی ہے، وہ مکہ کی مسجد حرام اور قدس کی مسجد اقصیٰ کے درمیان زبردست ربط مانتے ہیں، اور قدس کو مکہ سے قریب تر درجہ دیتے ہیں...... وہ ان دونوں مقامات کی زیارت کرتے ہیں، یہ دونوں شہر قدیم دینی ورثہ ہیں، ابوالأنبیاء، حضرت ابراہیمؑ نے اگر مکہ میں کعبہ کی بنیاد رکھی تھی تو ان کا جسم مبارک (راویوں اور مؤرخوں کے بیان کے مطابق) قدس کے پاس شہر خلیل میں ہی مدفون ہے، مسلمان نمازیں مسجد حرام کی جانب رخ کرکے پڑھتے ہیں، تو وہ یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرتے ہیں کہ ان کے نبی حضرت محمد اور صحابہ کرام نے کعبہ کو قبلہ بتانے والی آیات کے نزول سے پہلے قبلۂ اوّل مسجد اقصیٰ کی جانب رخ کرکے نماز پڑھی تھی...... اور مدینہ منورہ میں آج بھی ایک مسجد ''مسجد القبلتین'' نامی موجود ہے جو مکہ اور قدس نیز مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے درمیان دینی تعلق کا زندہ ثبوت ہے۔

جب مسلمان اپنے دینی جذبہ اور تاریخی شعور کے ساتھ بیت المقدس کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ یہ وہی مقام ہے جہاں اللہ نے حضرت موسیٰ سے گفتگو کی تھی، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی توبہ قبول کی تھی، حضرت زکریا کو حضرت یحیٰ کی بشارت دی تھی، حضرت داؤد کے لئے پہاڑ اور پرندے مسخر کئے تھے، حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق نے وہاں دفن کئے جانے کی وصیت کی تھی، حضرت عیسیٰ وہیں پیدا ہوئے، وہیں انہوں نے گود میں گفتگو کی، وہیں ان پر خوانِ آسمانی نازل ہوا، وہیں سے وہ آسمان پر گئے، اور اسی جگہ حضرت مریم کی وفات ہوئی (الأنس الجلیل: ۱/۲۳۹)۔ انبیاء اور ان کے ورثہ نیز بیت المقدس کی بابت یہ مسلمانوں کا موقف ہے، یہ موقف اکرام، تقدیس اور دینی و تاریخی ذمہ داری کے شعور پر مبنی ہے۔

یہودیوں کا موقف بیت المقدس اور وہاں کے انبیاء وصلحا کی بابت اس اسلامی تعظیمی رویہ کے بالکل برخلاف ہے، سطور بالا میں جن مقربیان بارگاہ الٰہی کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کو اور ان جیسے دیگر حضرات کو یہودیوں نے بہت ستایا ہے، اگر اللہ نے اپنے نیک بندوں پر کرم نہ کیا ہوتا تو یہ حضرات اپنی ذمہ داری ادا نہ کر پاتے، اگر قرآن نے ان عظیم شخصیتوں کا دفاع نہ کیا ہوتا اور ان کے اوپر لگائے گئے الزامات سے انہیں بری نہ کیا ہوتا تو پوری انسانیت یہودیوں کی تحریف اور ان کے ظلم کی وجہ سے ان پاک نفسوں کو ویسا ہی برا سمجھتی جیسا کہ ''یہودیوں کی تورات'' کی مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بالمقابل مسلمان نبوی ورثہ کا بنیادی مرکز ہونے کے اعتبار سے قدس کے تئیں اپنی عام دینی ذمہ داری محسوس کرتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق وہ شخص مسلمان نہیں ہے جو انبیاء (تمام انبیاء) کے ورثہ کو مادی طور پر تباہ کئے جانے یا معنوی طور پر برباد کئے جانے سے نہ بچائے، یہودیوں نے اپنی پوری تاریخ میں اس ورثہ کو تباہ و برباد کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، انہوں نے تورات میں تحریف کی، اپنی جانب سے تلمود نامی کتاب گڑھی اور اسے ایسی باتوں سے بھر دیا جو نہ اللہ کو پسند ہیں اور نہ جنہیں کوئی آسمانی دین روا کہہ سکتا ہے، انہوں نے اللہ کی زمین میں فساد برپا کیا، انبیاء سے جنگ کی، جنگیں بھڑکائیں، اپنے آپ کو اللہ کی منتخب قوم اور دوسری قوموں کو کتے اور بیل کی برابر بتایا، اس لئے ایک سچے مسلمان پر یہ واجب ہے کہ ایسے بدکرداروں سے اللہ کی شریعت حقہ کی حفاظت، اپنے معنوی و مادی ورثہ کی حصولیابی بلکہ پوری انسانی تہذیب کی حفاظت کے لئے جہاد کرے۔

☆ ☆ ☆